AFKĀR Volume: 3, Issue: 1, June 2019

OPEN ACCESS
AFKĀR
ISSN 2616-8588 (Online)
ISSN 2616-9223 (Print)
afkar.com.pk; iri.aiou.edu.pk

Scan for download

قانونِ توہینِ رسالت: مغرب اور پاکستانی آئین کے تناظر میں تجزیاتی مطالعہ

The Blasphemy Law: An Analytical Study in the Western and Pakistani Legal Perspectives

Dr. Syed Muhammad Shahid Tirmizi
Lecturer
Department of Islamic Studies, NUML, Islamabad

Dr. Riaz Ahmed Saeed
Lecturer
Department of Islamic Studies, NUML, Islamabad
Email: riazussaeed@gmail.com

ABSTRACT

Muslim Ummah is facing various issues in the contemporary era. The clash between western world and Muslim world is rapidly increasing day by day. One of the most burning issue is the blasphemy of Prophet of Islām. Despite existence of the blasphemy laws in the modern world, hatred behavior and temptations are in rise. Many verses and Ahādīth of the Holy Prophet ﷺ have already revealed that Muslim Ummah will face hostility from Jews and Christians. It is said that about a quarter of the world's countries had anti-blasphemy laws. It is surprising fact that the modern world in spite of giving the message of justice, peace and equality, considers this sensitive issue as a freedom of expression advocating irreverence towards holy personages, sacred artifacts, customs and beliefs. All religions condemn blasphemy. Pakistan also has blasphemy law with the death penalty as its punishment. Some people consider this law faulty and struggling to abolish it. This article elaborates the blasphemy laws in Islamic and western perspective with comparison and due analysis.

Keywords: *Blasphemy law, Pakistan's Constitution, Muslim Ummah, Contemporary Era, Jews and Christians.*

CC BY

تمہید

دین اسلام میں توہینِ رسالت اور شعائر اللہ کی توہین کی ممانعت و سزا کے بارے میں واضح احکامات ملتے ہیں مگر مذاہب عالم اور بالخصوص یہودیت و مسیحیت بھی اس قانون سے بالکل خالی نہیں۔ ہر مذہب نے اپنے ماننے والوں کو اس بات کی تاکید کی ہے کہ وہ اپنے مذہب، مقدس ہستیوں اور شعائرِ مذہب کی نہ تو خود تحقیر کریں اور نہ اور کسی کو ان کی توہین کرنے کی اجازت دیں اور جو کوئی ایسا کرے اس کو سخت سزا دی جائے گی۔ یہودی شریعت میں ذات باری تعالیٰ، انبیائے کرام اور شعائر اللہ کی توہین اور گستاخی پر سخت احکامات اور سزائے موت کا بڑا واضح ذکر موجود ہے۔

اسی طرح غیر سامی مذاہب ہندو دھرم بدھ دھرم یا دوسرے مذاہب میں اس اعتبار سے کوئی فرق نظر نہیں آتا بلکہ ان کے بانی مذہب یا دیگر مقدس ہستیوں کی توہین پر سخت سزاؤں کی روایات ملتی ہیں۔ تاریخی مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ان مذاہب میں بھی مقدس ہستیوں کی توہین پر سزائے موت کا حکم ہے اور کسی نہ کسی حد تک ایسے احکامات کا ضرور پتہ ملتا ہے کہ اگر کوئی شخص مذہب کی توہین کرے تو اسے سختی سے نمٹا جائے البتہ ان مذاہب کی معاشرتی اور مذہبی روایات سے یہ ضرور ثابت ہوتا ہے کہ مذاہب کے ماننے والوں نے یہ از خود طے کر رکھا ہے کہ اگر کوئی ان کے مذہبی شعائر و مذہب کی توہین کرے تو اس کو موت کے گھاٹ اتار دیا جائے۔

مذاہبِ عالم میں شعائرِ مذہب کی توہین کی ممانعت

یہود کے نزدیک یہ بات مسلمہ ہے کہ:

اور جو خداوند کے نام پر کفر بکے ضرور جان سے مارا جائے ساری جماعت اسے کتی سنگنسار کرے خواں دیسی ہو یا پردیسی جب وہ پاک نام پر کفر بکے تو ضرور جان سے مارا جائے۔[1]

خدائے پاک کے ناموس پیغام کی عظمت اس قدر ہے کہ:

جو نبی گستاخ بن کر کوئی ایسی بات میرے نام سے کہے جس کے کہنے میں میں نے اسکو حکم نہیں دیا اور معبودوں کے نام سے کچھ کہے تو نبی قتل کیا جائے۔[2]

حضرت مسیح علیہ السلام (کتاب مقدس میں)[3] فرماتے ہیں:

میں تم سے سچ کہتا ہوں کے نبی آدم کے سب گناہ جتنا کو سو و بکتے ہیں معاف کیا جائے گا لیکن جو کو روح القدس کے حق میں خوش رب کے وہ ابد تک معافی نہ پائے گا۔[4]

منو مہاراج اپنی سمرتی میں لکھتے ہیں:

جو شخص وید اور عابد لوگوں کی وید کے مطابق بنائی ہوئی کتابوں کی بے عزتی کرتا ہے اس وید کی برائی کرنے والے منکر کو ذات جماعت اور مسلک سے نکال دینا چاہئے۔[5]

شری کرشن کہتے ہیں:

دیوتا براہمن گھروں اور پنڈت کی تعظیم و تکریم خاطر تواز و کی جائیں خود پر یہ اصول لاگو کر کے ان کی دل آزاری سے متنفر رہو۔[6]

مہاراج بدھو کہتے ہیں: کوئی براہمن پر حملہ نہ کرے جو کوئی برہمن کو مارتا ہے اس پر تف ہے۔[7]

مسز اندرا گاندھی کے قتل کی تحقیقات کرنے کے لیے کمیشن آف انکوائری ایکٹ کی دفعہ 3 کے تحت 30 نومبر 1984ء کو سپریم کورٹ کے جج ایم پی ٹھاکر کی سربراہی میں ایک کمیٹی تشکیل دی گئی، جس نے اپنی رپورٹ 27 فروری 1986ء کو دی اور یہ رپورٹ ایک ہزار صفحات پر مشتمل ہے۔ جس میں اس بات کو قتل کی بنیادی وجہ قرار دیا گیا ہے کہ مسز اندرا گاندھی کا قتل سکھ مسئلہ اور آپریشن بلیو سٹار ہے، سکھوں کی اکثریت اس پر اندرا جی کے خون کی پیاسی ہو رہی تھی۔[8]

1882ء میں جب آریہ سماج کے بانی سوامی دیانند سرسوتی نے اپنی مشہور کتاب ستیار تھ پرکاش[9] لکھی تو دیگر مذاہب پر سخت تنقید واعتراضات کے علاوہ اس کتاب کے گیارہویں باب میں نانک بند کے عنوان کے ساتھ سکھ مت اور بابا گرونانک پر سخت تنقید کی اور ان کے متعلق لکھا کے نانک جی کا مدعا تو اچھا تھا لیکن علمیت کچھ بھی نہ تھی اسی طرح انہیں شہرت کا بھوکا قرار دیا نیز ان کے مذہبی شعار گرنتھ کے پاٹ مضامین اور اس کو سیدہ کرنے پر سخت تنقید کی اس پر سکھ سخت مشتعل ہوئے اور جوابی طور پر اسے سخت تنقید کا نشانہ بنایا نیز اسے قتل کی دھمکیاں دیں۔[10]

آزادیٔ رائے کے نام پر توہین رسالت کی حقیقت

اس ضمن میں ہم صرف چند معروف دستوروں کا حوالہ دیں گے، جو سیکولرازم کے دعویدار ہیں لیکن ان میں بھی مطلق آزادی کا حق نہیں دیا گیا۔ فرانس کے آئین کے آرٹیکل نمبر 1 میں کہا گیا ہے کہ:

''انسان آزاد پیدا ہوا ہے اور آزاد رہے گا اور سب کو مساوی حقوق حاصل ہوں گے لیکن سماجی حیثیت کا تعلق مفاد عامہ کے پیش نظر رہے گا۔''[11]

اسی آئین کے آرٹیکل نمبر 4 میں کہا گیا ہے کہ:

''آزادی کا حق اس حد تک تسلیم کیا جائے گا جب تک کہ اس سے کسی دوسرے شخص کا حق متاثر یا مجروح نہ ہو اور ان حقوق کا تعین بھی قانون کے ذریعے کیا جائے گا۔''[12]

اسی طرح جمہوریہ جرمنی کے آئین کے آرٹیکل نمبر 5 میں کہا گیا ہے کہ:

''ہر اس شخص کو تحریر تقریر اور اظہار خیال کی آزادی کا حق حاصل ہے۔''[13]

مگر اس کے ساتھ ہی آرٹیکل نمبر 5 کے ذیلی آرٹیکل نمبر 2 میں واضح کر دیا گیا کہ یہ حقوق قانونِ عام، قواعد و ضوابط اور شخصی عزت و تکریم کے دائروں میں رہتے ہوئے استعمال کیے جا سکیں گے۔

یورپ کے مسلمہ مفکرِ آئین و قانون ڈایسی نے لکھا ہے کہ:

ایسا بیان جو شخصی توہین یا توہینِ مسیح کی زد میں آئے اس کا اظہار خواہ کسی خط یا کارڈ ہی کے ذریعے کیوں نہ کیا جائے، اس کی حیثیت کسی کتاب یا اخبار میں شائع شدہ بیان ہی کی طرح مقصود ہو گی اس لیے اگر یہ کہا جائے تو مبالغہ نہیں ہو گا کہ برطانیہ میں پریس مکمل طور پر آزاد نہیں ہے۔[14]

قانون توہینِ رسالت اور مغربی عدالتیں

توہینِ انبیاء علیہم السلام دنیا کے تقریباً تمام ملکوں میں تھوڑی بہت معمولی تبدیلیوں کے ساتھ نافذ رہا ہے۔ نیو انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کے مطابق اکثر مشرقی و یورپی ملکوں میں (*Blasphemy law*) کسی نہ کسی صورت قابل مؤاخذہ جرم رہا ہے۔ آسمانی صحائف کو ماننے والی اقوام جہاں بھی حکمران رہی ہیں وہاں توہینِ رسالت کی سزا سزائے موت پر عملدرآمد ہوتا رہا ہے۔[15]

یہودیوں کے تلمودی قانون کی رو سے صرف پیغمبرانِ بنی اسرائیل اور تورات کی بے حرمتی کی سزا موت ہے۔ عہد نامہ عتیق میں رسول کے نائبین کی حالت میں بھی سزا، سزائے موت مقرر ہے۔[16]

رومن امپائر کے شہنشاہ جسٹن سن کے دورِ حکومت طلوعِ اسلام سے چند سال قبل 528تا565 صدی پر محیط ہے۔ رومن لاء کی تدوین کا سہرا بھی اسی کے سر ہے اور اس کو عدل وانصاف کا مظہر بھی سمجھا جاتا ہے۔ اس نے جب دینِ مسیح قبول کر لیا تو قانون موسوی کو منسوخ کر کے انبیائے بنی اسرائیل کے بجائے صرف یسوع مسیح کی توہین اور انجیل کی تعلیمات سے انحراف کی سزا سزائے موت مقرر کی۔ اس کے دور میں قانونِ توہینِ مسیح سارے یورپ کی سلطنتوں کا قانون بن گیا۔ روس اور سکاٹ لینڈ میں بھی اٹھارویں صدی تک اس جرم کی سزا سزائے موت دی جاتی رہی ہے۔[17] برطانیہ میں پہلے اٹھارہویں صدی تک توہینِ مسیح کی سزا سزائے موت ہی تھی لیکن اس کے بعد چونکہ وہاں سزائے موت ختم کر دی گئی، اس لیے موجودہ 21ویں صدی میں برطانیہ کے (*Common law*) میں جو وہاں کا آئین بھی ہے، کی رو سے توہینِ مسیح کی سزا عمر قید کر دی گئی ہے۔ اس کی تعریف یہ ہے کہ:

"کسی ایسی بات کی اشاعت جو تحریر یا تقریر کے طور سے توہین کے زمرے میں آ جائے اور جو اہانت آمیز طریقہ سے یسوع مسیح، مذہبِ مسیح، کتاب مقدس انجیل کی سچائی سے انکار کرے یا ان کے لیے ایسے نازیبا اور فحش الفاظ استعمال کیے جائیں جو پیروانِ مسیح کے لیے جارحانہ اور اشتعال انگیز ہوں، توہین (*Blasphemy*) تصور ہو گی۔"[18]

قانونِ توہینِ رسالت اور مغربی عدالتوں کے فیصلے

ڈینس لیمون ایڈیٹر (GEY NEWS) کے خلاف سال 1978ء میں توہینِ مذہب کے الزام میں برطانیہ کی عدالت میں کیس دائر ہوا۔ الزام یہ تھا کہ اس نے حضرت مسیح پر ایک مزاحیہ نظم لکھی ہے، جس میں اس نے ان کو ہم جنس پرستی کی طرف مائل دکھایا تھا۔ اس مقدمہ کی اہم ترین بات یہ ہے کہ صفائی کے وکلاء نے ملزم کی طرف سے دفاع میں یہ نکتہ اٹھایا کہ ملزم نے توہین کا ارتکاب قصداً نہیں کیا تھا، یہ بات اس نے بطور تفریحِ طبع کہی ہے جس سے اہانت یا توہین مقصود نہیں۔ لیکن جیوری نے متفقہ طور پر ملزم کے اس عذر کو مسترد کر دیا اور یہ قرار دیا کہ توہینِ مسیح کے کیس میں نیت یا ارادہ غیر متعلق ہیں۔ کیوں کہ جو بات جناب مسیح کے بارے میں کہی گئی ہے اس کا براہِ راست تعلق ایک واضح حقیقت سے ہے۔ جس کی وجہ سے پیروانِ مسیح کے جذبات مشتعل ہوئے ہیں۔ اس لیے کہ ہر وہ بات اور ہر وہ چیز جو خدائی یسوع مسیح اور بائبل کی تضحیک، استہزاء، توہین اور تنقید کا باعث ہو وہ قانونِ توہینِ مسیح کے تحت لائق تعزیر جرم ہے۔ اس لیے لیمون کو قانونِ توہین کے تحت جیوری نے سزا سنائی۔ اس فیصلے میں مزید کہا گیا: "برطانیہ میں قانون اس بات کی اجازت تو دیتا ہے کہ مذہب کا انکار کر دیا جائے، وہ قابل گرفت جرم نہیں، لیکن مذہب کے خلاف ناشائستہ اور اشتعال انگیز زبان استعمال کرنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔"[19]

چناں چہ لی مون نے اپنے فیصلہ کے خلاف برطانیہ کی عدالت عظمیٰ میں بھی اپیل دائر کی لیکن فاضل عدالت نے کیس کے تمام پہلوؤں کا جائزہ لینے کے بعد اس کو خارج کر دیا۔ اس کیس کا فیصلہ نو ججز نے کیا جس میں سے سات ججز نے خلاف فیصلہ کیا جبکہ دو نے اس کے دلائل کے ساتھ کچھ حد تک اتفاق کیا۔ اس فیصلے میں بڑی دلچسپ بات یہ ہے کہ ایک فاضل جج لارڈ زکارمین جو ایک آزاد خیال لبرل جج کی حیثیت سے دنیا میں جانے پہچانے جاتے ہیں، اپنے فیصلے میں (*Blasphemy law*) کی اہمیت اور ضرورت پر زور دیتے ہوئے لکھا:

"میں اس رائے سے اتفاق نہیں کر سکتا کہ (*Blasphemy law*) جو ہمارے (*Common law*) کا حصہ ہے، کوئی کارآمد قانون نہیں ہے۔ اس کے بر خلاف میں یہ سمجھتا ہوں کہ بلاسفیمی کا فوجداری قانون برطانیہ کی اپنی سالمیت اور امن وامان کو قائم رکھنے کیلیے نہایت ضروری ہے خاص طور پر موجودہ ماڈرن برطانیہ میں جو مختلف مذاہب سے تعلق رکھنے والے شہریوں کا ملک بن چکا ہے اور جس میں اضافہ ہوتا چلا جارہا ہے۔"[20]

اس لیے موجودہ توہینِ مسیح کے قانون میں مزید توسیع ہونی چاہیے جس کی رو سے دوسرے مذاہب کی عزت اور تعظیم مجروح نہ ہونے پائے اور مذہبی اختلافات کی بناپر کسی بھی مذہب کی توہین، تضحیک اور فحش کلامی جیسی گھٹیا حرکتوں کو ممنوع قرار دیا جائے۔

برطانوی شہری مسٹر نیگل و نگرو فلم ڈائریکٹر نے سولہویں صدی کی ایک راہبہ (*St. Teresa*) کو حضرت مسیح کی تصوّراتی شبیہ کے سامنے عشق و مستی میں اپنا گریبان چاک کر کے خون میں ڈوبی ہوئی اور رقص کرتے ہوئے دکھلایا۔ ایک رومانوی فلم تیار کی اور اس کی فروخت و نمائش کی اجازت کے لیے درخواست برٹش بورڈ آف فلم کلاسیفیکیشن کے سامنے پیش کی۔ بورڈ نے اس کی اجازت دینے سے انکار کرتے ہوئے اس کی درخواست کو مسترد کر دیا کہ یہ ہیجان انگیز مخرب الاخلاق فلم حضرت مسیح کے تقدس کو مجروح کرتی ہے۔ اس لیے یہ ویڈیو فلم لی مون کیس کے حوالے سے فوجداری قانون بلاسفیمی کے زمرے میں آتی ہے اس لیے اس کی فروخت اور نمائش کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ اس کے خلاف فلمساز نے اپیل دائر کی جس میں کہا گیا کہ یہ ایک عیسائی راہبہ (*St. Teresa*) کی کہانی ہے جو اس کی وجدانی کیف وسرور پر مبنی ہے۔ یہ حضرت مسیح کی اہانت کی تعریف میں نہیں آتا۔ اس اپیل کا بورڈ نے نہایت تفصیل کے ساتھ جواب دیا جس بتایا گیا ہے کہ اس ویڈیو فلم میں (*St. Teresa*) کو ہم جنس پرست عورت کا کردار کرتے ہوئے دکھایا گیا اور موسیقی بھی نہایت ہیجان انگیز ہے۔ اس میں (*St. Teresa*) کے تاریخی اور نفسیاتی و عمل کو صحیح طور پر پیش نہیں کیا گیا اس لیے اس اپیل کو خارج کیا جاتا ہے۔ اس فیصلے کے خلاف ونگرو نے ہاؤس آف لارڈز میں جوڈیشل ریویو کے لیے درخواست دائر کی جس میں بورڈ پر اعتراض کیا گیا کے اس نے فلم کے آرٹ اور اس سے ہم آہنگ موسیقی کو جدید رجحانات کے تناظر میں سمجھنے کی کوشش نہیں کی اور بورڈ پر یہ الزام بھی عائد کیا کہ اس نے ماضی قریب میں (لائف آف برین) اور مسیح کی آخری جنسی ترتیب جیسی قابل اعتراض فلموں کا کوئی نوٹس نہیں لیا اور نہ بلاسفیمی لاء کے تحت ان کے خلاف کوئی کاروائی کی۔ اس کے علاوہ بلاسفیمی میں جو (*Common law*) کا حصہ ہے اس میں بھی یکسانیت نہیں پائی جاتی۔ اعلیٰ عدالت نے اپیل کے فریقین کے تمام زبانی اور تحریری شہادت اور بیانات کا بغور مطالعہ کیا۔ کورٹ آف اپیل میں بھی لی مون کے خلاف توہینِ مسیح کیس کا حوالہ دیا گیا۔ اس کورٹ کے معزز جج لارڈ اسکارمین نے اپنے فیصلے میں لکھا کہ عدالت کو توہینِ مسیح کے بارے میں یہ دیکھنا ضروری ہے کہ آیا ایسے الفاظ اور ان کی تشریحات سے خدا، مسیح، بائبل اور چرچ آف انگلینڈ کی تزہیک، توہین اور تمسخر سے ایک عیسائی شہری نقضِ امن پر آمادہ ہو سکتا ہے۔ اس بارے میں یہ بھی ضروری ہے کہ لفظ قیاس یا گمان کو اس کے عام لغوی معنیٰ میں لیا جائے جس سے اشتعال انگیزی کا امکان پیدا ہو سکتا ہے اس لیے ملزم کے قصد وارادے کو جزوِ جرم نہیں سمجھا جائے۔ فاضل عدالت بلآخر اس نتیجے پر پہنچی کہ یہ ویڈیو فلم عیسائی رہبانیت کی والہانہ محبت وعقیدت کو ظاہر نہیں کرتی بلکہ اس سے جنسی کجروی اور شہوت انگیزی کے شرمناک مناظر سامنے آتے ہیں جو نہ کسی نام سے کسی صدی میں ہوئے اور نہ ہو سکتے ہیں۔ ان تمام چیزوں کا جائزہ لینے کے بعد یہ عدالت ویڈیو فلم کیس کو نہایت ناشائستہ سمجھتے ہوئے اس کی فروخت / نمائش پر پابندی درست قرار دیتی ہے کہ ایسی ویڈیو فلم کو دیکھ کر ایک عیسائی شہری کے جذبات مشتعل ہو سکتے ہیں جو (*Blasphemy law*) کی خلاف ورزی ہے جس کی اجازت نہیں دی جاسکتی اس لیے یہ اپیل خارج کی جاتی ہے۔[21]

مسٹر ونگرو نے برطانیہ کی آخری عدالت کے فیصلے کے خلاف یورپی یونین کی سب سے بڑی عدالت، جو کہ انسانی حقوق کی عالمی عدالت ہے، میں پٹیشن دائر کر دی۔ اس پٹیشن میں یہ اہم نکتہ بھی اٹھایا گیا کہ مملکت برطانیہ میں انسانی حقوق کو پامال کیا جا رہا ہے۔ پٹیشنرز برطانوی شہری ہے۔ اس کا عیسائی مذہب یا اس مذہب کی مقدس شخصیتوں کے بارے میں اپنے عقیدے اور اپنے خیالات کا آزادانہ طور پر اظہار کا حق سلب کر لیا گیا ہے۔ جو یورپی یونین کے کنونشن کے آرٹیکل 10 کی صریح خلاف ورزی ہے۔ اس ملک کی مقتدر حکومت نے (St. Teresa) پر تیار کی ہوئی فلم کو نمائش کے لیے پیش کرنے اور اسے فروخت کرنے کی اجازت دینے سے انکار کر کے اس کو اس کے آئینی حق سے بھی محروم کر دیا ہے۔ اس کیس میں سماعت کے لیے یورپی عدالت حقوق انسانی کے نو رکنی بینچ کی تشکیل عمل میں آئی جس سے کیس کی سماعت کا آغاز ہوا۔ یہاں ہم اہم یورپی کنونشن کے آرٹیکل 10 کو پیش کرنا ضروری خیال کرتے ہیں کیونکہ اسی آرٹیکل کی بنا پر مدعی نے برطانیہ کی آخری عدالت کے فیصلے کو چیلنج کیا ہے۔ آرٹیکل 10 کے تحت ہر کسی کو اظہارِ خیال کی آزادی حاصل ہو گی جس کی رو سے اس کو اپنے خیالات اور اپنی ذاتی رائے کو دوسروں تک پہنچانے کا حق حاصل ہو گا۔ یورپی یونین میں شامل کسی ملک کی گورنمنٹ یا پبلک اتھارٹی کو اس حق میں مداخلت کا حق حاصل نہیں ہو گا۔ اسی آرٹیکل کی ذیلی شرط میں لکھا گیا ہے اظہار خیال کی آزادی ان تمام شرائط وضوابط و قانون کی پابندی ہو گی جو ایک جمہوری سوسائٹی میں ملکی، قومی اور سرحدی تحفظ کے لیے اور پبلک مفاد میں ضروری ہو یا ایسی پابندی جو بد نظمی، جرائم اور غیر اخلاقی چیزوں کو روکنے کے لیے لگائی جائے، ایسی پابندی بھی دوسرے شہریوں کی شہریت اور حقوق کی حفاظت اور ہیئت مقتدرہ کو برقرار رکھنے یا رعایا کی غیرت جانبدار آزادی کے تحفظ کے لیے عائد کی جائے، جائز اور درست ہو گی۔ برٹش گورنمنٹ نے برطانیہ کی آخری عدالت کے فیصلے کی حمایت کرتے ہوئے عدالت کو بتایا کہ کامل عمل کے قانون اور (Blasphemy law) کی رو سے گورنمنٹ کو مدعی کی ویڈیو فلم کی بندش کا اختیار حاصل ہے جو اس نے پورے عزم اور احتیاط کے ساتھ قانون کے مطابق استعمال کیا ہے اور یہ اختیارات یورپی کمیشن کے آرٹیکل 10 کی ذیل سے پوری طرح ہم آہنگ ہیں۔ فاضل عدالت نے متنازع فلم طلب کر کے اس کو دیکھا کہ اس کے ریکارڈ پر یقین کی شہادت کے بعد دونوں فریقین کو سننے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچی کہ فریقِ مقدمہ مسٹر ونگر کو حکومت کے خلاف نظر ثانی کرنا چاہیے تھی۔ عدالت کی رائے میں مدّعی کا یہ اعتراض درست نہیں کہ (Blasphemy law) بنیادی طور پر جائز قانون نہیں۔ یہ درست اس لیے نہیں کہ یہ قانون یورپ کے دوسرے ملکوں میں بھی موجود ہے۔ اس سے متعلق کچھ ملکوں کے بارے میں ہمارے فیصلوں کے فریقِ ثانی برٹش گورنمنٹ نے پیش کی ہیں جن میں (Blasphemy law) کا وہاں کے حالات کے پیشِ نظر استعمال کرنا درست قرار دیا گیا ہے۔ قومی قانون سے برٹش گورنمنٹ کی مراد برطانیہ کا (Common law) اور پارلیمنٹ کا منظور شدہ قانون بھی ہے۔ اس لیے (Blasphemy law) دستوری اور پارلیمانی قانون بھی ہے۔ فاضل عدالت نے حقوق انسانی کی روشنی میں (Blasphemy law) کے تمام پہلوؤں کا جائزہ لیا۔ فریقین کی شہادت اور متنازع فلم کے تمام مناظر اور اس کے مجموعی تاثر پر رَد کیا۔ فریقین کے دلائل سننے کے بعد 25 نومبر 1996ء میں اپنا مفصل فیصلہ سنا دیا جس کی رو سے فلم ساز ڈائریکٹر مسٹر ونگر کی اپیل خارج کر دی گئی اور برطانیہ کے (Blasphemy law) کو جائز اور درست قرار دیا اور کہا گیا کہ یہ قانون یورپی یونین کے کنونشن کے منافی نہیں اور مملکت کی سوشل ضرورت کے لئیے ناگزیر تھا۔[22]

یورپی وبین الاقوامی حقوقِ انسانی کا یہ فیصلہ یونین کے تمام رکن ملکوں کے لیے قانونی نظیر بن گیا ہے۔

"موکس توہینِ مسیح کے اس امریکن سپریم کورٹ کا فیصلہ، امریکی ریاست کے (Blasphemy law) اور برطانیہ کے قانونِ توہین میں کچھ زیادہ فرق نہیں لیکن قانونی نقطہ نظر سے امریکی قانون میں (Blasphemy law) وسیع تر معنیٰ میں استعمال ہوا ہے۔ (Blasphemy) جارحانہ طریقے سے عیسائی مذہب پر حملہ یا اہانتِ مسیح یا مقدس صحیفوں کا تمسخر (Blasphemy) کی تعریف میں آتا ہے۔ تحریری، تقریری اہانت (Blasphemy) ہے۔ قانون میں جن باتوں کو توہین مسیح بتایا گیا ہے ان میں بھی کسی ایک چیز کا ارتکاب اہانتِ مسیح کی زد میں ہی آئے گا۔[23]

موکس بنام اسٹریٹ کے فیصلے کو ضرورت کے باعث یہاں پیش کیا گیا ہے جس میں آزادیٔ مذہب و آزادیٔ پریس کے بنیادی حقوق پر بحث کرتے ہوئے فاضل سپریم کورٹ امریکہ نے توہینِ مسیح کے بارے میں جو متفقہ فیصلہ دیا ہے، فاضل عدالت نے اپنے فیصلے میں تاریخی حوالے سے لکھا ہے اور یہ بھی ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ دنیا میں تہذیب و تمدن کے آغاز ہی سے کسی ملک کے طرزِ حکومت کی تشکیل میں دین و مذہب کا نہایت اہم رول رہا ہے اور اس ملک کے استحکام اور بقا کا انحصار بڑی حد تک اس کے مذہب کے احترام اور تکریم سے وابستہ ہے جو وہاں کی غالب اکثریت کی دینی شعار سے علیحدہ نہ ہونے والا لازمی حصہ ہے۔ فاضل عدالت نے اس کی توضیح کرتے ہوئے لکھا:

"صدر امریکہ کی تقریبِ حلفِ وفاداری، کانگریس اور مقننہ کی افتتاحی تقاریب اور عدالتوں کی کارروائی کا آغاز انجیلِ مقدس پر حلف سے ہوتا ہے جس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا مشکل نہیں کہ مملکت کے تکوین یعنی عدلیہ، مقننہ اور انتظامیہ کا بھی مذہب سے یک گونہ بالواسطہ تعلق ہے۔ اس لیے انہوں نے اپنے ریفرنس کا جواب دیتے ہوئے حتمی طور پر یہ قرار دیا ہے کہ آزادیٔ مذہب اور آزادیٔ پریس کے آئینی تحفظات اور بنیادی حقوق یہ سب توہینِ مسیح کے قانون اور اس کی بابت قانون سازی کی راہ میں قطعاً مزاحم نہیں۔"[24]

قانونِ توہینِ مذہب (Blasphemy Law) اور سزائیں۔ مغرب کے تناظر میں

(Blasphemy) کا قانون ایک عالمگیر قانون ہے۔ یورپ، امریکہ اور دیگر غیر مسلم ممالک کے قوانین پر نظر دوڑائی جائے تو لادینی عناصر و قوانین کے تسلط سے قبل "توہینِ شعائرِ مذہب" کا قانون صدیوں تک نافذ رہا اور اسی قانون کے تحت کئی گستاخوں کو سزائے موت بھی دی گئی۔

مغربی ممالک میں (Blasphemy) سے مراد خدا تعالیٰ، اس کے اختیارات، قدرت، روح القدس، حضرت عیسیٰ مسیح، تثلیث، آخرت، یوم الحساب، تورات و انجیل مقدس، حواریوں اور دینی بزرگوں یا مسیحیت کی تعلیمات و شعائر کی تضحیک و تحقیر ہے۔[25]

رومن سلطنت کے شہنشاہ (Justinian) نے جب دینِ مسیحیت قبول کیا تو قانونِ موسوی کو منسوخ کر کے انبیائے بنی اسرائیل کے بجائے صرف حضرت مسیح علیہ السلام کی توہین اور انجیل کی تعلیمات سے انحراف کی سزا سزائے موت مقرر کی۔[26]

اور تمام رومن کیتھولک ممالک میں بھی اس ناپاک جرم کی سزا "سزائے موت" ہی مقرر تھی۔

انگلینڈ نے پانچ یا چھ اشخاص کو اس بات پر زندہ جلانے کی سزا دی کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خدا ہونے سے انکار کیا تھا اور کہا تھا کہ نابالغ بچے کو بپتسمہ دینے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔[27]

انگلینڈ میں III (George) نے 1661ء اور 1695ء کے ایکٹ میں ترمیم کر کے اس کی سزا سزائے قید اور جرمانہ میں تبدیل کر دی۔[28]

روم میں ایک شخص (Giordano Bruno) کو 1600ء میں توہینِ شعائرِ مذہب پر زندہ جلانے کی سزا دی گئی۔[29]

1676ء میں (Taylor) نامی شخص کو اس قانون کے مطابق اس لیے سزا دی گئی کہ اس نے مذہب کو ایک دھوکہ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی

شان میں گستاخی کی۔[30]

(Edinburgh) کے سرجن کا بیس سالہ بیٹا جس کا نام (Thames Aiken Lead) تھا جس نے توہینِ مذہب کی اس جرم میں اسے سزائے موت سنائی گئی۔[31]

1611ء میں امریکہ کی ریاست ورجینیا میں توہینِ رسالتِ عیسٰی کا قانون بنا جس میں نظریہ تثلیث کی مخالفت یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توہین کی سزا ''سزاموت''، مقرر کی گئی۔[32]

سکاٹ لینڈ میں بھی 1611ء اور 1698ء کے قوانین کے تحت توہینِ مسیح کی سزا ''سزاموت''، ہی تھی۔[33]

1838ء میں امریکہ میں کامن ویلتھ بنام (Knee Land) کے مقدمہ میں عدالت نے یہ فیصلہ سنایا کہ مذہبی امور کو عدالتی امور سے الگ رکھا جائے۔ 1883ء انگلینڈ کے لارڈ چیف جسٹس نے بھی یہی نظریہ اپنایا۔[34]

ان مذکورہ نظائر سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ شعائرِ مذہب کا احترام ہر دور میں رہا ہے اور یہ نا صرف مذہبی طبقے کے لیے تھا بلکہ عدالتی سطح پر قانونی ماہرین نے اس پر قوانین بنائے اور مجرم کو کڑی سے کڑی سزا کا مستحق ٹھرایا۔

نبی کریم ﷺ کے ساتھ عشق تو مومن کے ایمان کا جزو لاینفک ہے اور مسلمان اپنے آقا و مولا سرور عالم ﷺ کے نام و ناموس پر مر مٹنے اور اس کی خاطر دنیا کی ہر چیز قربان کرنے کو اپنی زندگی کا ماحصل سمجھتے ہیں۔

برصغیر پاک و ہند میں برطانوی دورِ استعمار سے قبل، حتّٰی کہ مغل شہنشاہ اکبر کے سیکولر دور میں بھی، شاتمِ رسول ﷺ کو سزائے موت دی گئی۔ 1579ء میں متھرا کے قاضی عبدالرحیم نے ایک مسجد بنانے کے لیے سامان جمع کیا۔ اس پر ایک برہمن رئیس نے اعتراض کیا اور اس سامان کو زبردستی اُٹھوا کر مندر کی تعمیر کرائی، جب قاضی عبدالرحیم اور ان کے ساتھیوں نے اس کو اس فعل سے روکنا چاہا تو اس نے برملا مسلمانوں کو برا بھلا کہا، اہلِ اسلام اور رسول اللہ ﷺ کی شان میں اہانت آمیز اور گستاخانہ باتیں کہیں۔ جس پر مقدّمہ صدر الصدور شیخ عبدالنبی کے پاس آیا۔

جس میں ثابت ہو گیا کہ وہ بدبخت واقعی رسول اللہ ﷺ کی شان میں اہانت آمیز باتیں کرنے کا مرتکب ہوا ہے چنانچہ اس جرم کی سزا میں شیخ عبدالنبی نے اس کو موت کی سزا سنائی۔ اس کی سفارش میں اکبر بادشاہ کے وفادار راجپوت، ہندورانیاں اور شیخ عبدالنبی کے مخالف علماء اُٹھ کھڑے ہوئے اور اس کی رہائی کی کوشش کی اور اکبر کو مجبور کیا جس پر بادشاہ اس فیصلہ پر بہت بگڑا۔ لیکن شیخ عبدالنبی نے صاف کہہ دیا کہ ''میرا کچھ بھی انجام ہو لیکن میں حبیب پاک ﷺ کی اہانت کرنے والے کو معاف نہیں کر سکتا۔'' لہٰذا اس برہمن کو قتل کی سزا دلوائی حالانکہ شیخ کو بھی اپنی جان سے ہاتھ دھونا پڑا اور ان کو بھی شہید کر دیا گیا۔[35]

انگریز حکومت ہی کی شہ پر جب ہندووں، آریہ سماجیوں اور مہاسبھائیوں نے مسلمانوں کی دل آزاری کرتے ہوئے پیغمبرِ اسلام ﷺ کی ذاتِ گرامی پر حملے کرنے شروع کر دیے تو مسلمانوں نے شاتمانِ رسول ﷺ کو قتل کر کے، اقرارِ جرم کرتے ہوئے دار و رسن کی روایت کو از سرِ نو زندہ کیا۔

جیسا کہ سوامی شردھانند کے ایک چیلے نے سوامی جی کے ایماء پر ایک کتاب ''جڑپٹ''، لکھی جس میں اس نے انبیاء کرام اور حضور ﷺ کے متعلق نہایت عریاں انداز میں سخت گستاخیاں کیں۔[36]

اسی طرح پنڈت لیکھ رام نے ''کلیات آریہ مسافر''، لکھی اور آریہ سماجی بھی دن رات مسلمانوں کے خلاف دلآزار تقریریں کرتا رہتا تھا، یہ بھی عاشقِ

رسول ﷺ کے ہاتھوں واصل جہنم ہوا۔[37]

اس پر مسلمانوں کے احتجاج اور مولانا محمد علی جوہرؒ کی تحریک نے زور پکڑا حتی کہ 27 جون 1927ء کے ''ہمدرد'' دھلی میں کنور دلیپ سنگھ کے فیصلے پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''میں صاف لکھنا چاہتا ہوں کہ غالباً وہ (کنور دلیپ سنگھ) پہلے جج ہیں جنھوں نے ہم پر یہ احسان کیا ہے، خواہ وہ کتنے ہی بھونڈے طریقے سے کیوں نہ کیا ہو، کہ ہم پر ظاہر کر دیا گیا کہ تعزیرات ہند میں ایک دفعہ بھی ایسی نہیں جس کی روح سے ا۔ توہینِ بانی اسلام ۲۔ توہینِ اسلام ۳۔ بانی اسلام کے خلاف نفرت پھیلانا۔ ۴۔ اسلام کے خلاف نفرت پھیلانا۔ ۵۔ مسلمانوں کی دلآزاری اور ۶۔ مسلمانوں کے خلاف غیر مسلموں کے دلوں میں حقارت پیدا کرنا، ان چھ سنگین ترین جرائم میں سے ایک جرم ہو۔[38]

مولانا نے جولائی 1927ء کو لکھنو میں ایک عظیم الشان جلسہ میں صدارتی خطبہ دیتے ہوئے کہا کہ:

''ایسی کتابیں اور مضامین یقیناً ہر مسلمان کا خون کھولا دینے کے لیے کافی ہیں، جتنا بھی جوش و خروش پیدا ہوا سب بجا مگر اصل کوشش فتنہ کے سرچشمہ کو بند کرنے کی ہونی چاہیے کہ فلاں جج کو ہٹا دینے کا قصور قاضی کا نہیں، قصور فلاں کا ہے۔ مجھ عاصی کا مشورہ یہی ہے کہ آئندہ سد باب فتنہ کے لیے قانون ہی کو بدلوائیں اور تعزیرات ہند میں ایک مستقل دفعہ بڑھوا کر توہینِ بانیان مذاہب کو جرم قرار دیجیے، اب تک یہ کوئی مستقل جرم کے طور پر آپ کے ملکی قانون میں نہیں ہے۔''[39]

مولانا محمد علی جوہر نے نہایت عرق ریزی کے بعد اس کام کے لیے ایک مسوّدہ تیار کیا جو کے بعد میں من و عن تعزیراتِ پاکستان کا حصہ بنا۔

اس بارے میں رئیس احمد جعفری لکھتے ہیں کہ:

''مولانا نے خود ہی ترمیم کا مسوّدہ تیار کیا جو انہی الفاظ اور جملوں پر مشتمل تھا، جو تعزیراتِ ہند میں استعمال ہوئے۔''[40]

اس کے بعد یہ مسوّدہ مولانا نے وائس رائے کو بھیجا اور ان کو خط میں لکھا کہ:

''ھز ایکسلنسی کی گورنمنٹ کی توجہ کے لیے میں یہ عرض کروں گا کہ وہ سرکاری مسودہ کو قانون کی حیثیت سے کو پیش کریں۔''[41]

اسمبلی میں بحث و منظوری:

حکومت ہند کے ہوم ممبر نے مولانا محمد علی کے اداریوں اور زبانی تقریروں کی وجہ سے ہندستان کی قانون ساز اسمبلی میں یہ مسودہ 5 ستمبر 1927ء کو پیش کیا۔[42]

ہوم ممبر نے اس بل کو سترہ ارکان پر مشتمل مجلس منتخبہ کے سپرد کرنے اور سات روز کے اندر اپنی رپورٹ ایوان میں پیش کرنے کی تجویز دی۔ ہوم ممبر نے مسوّدہ کے اغراض و مقاصد پر طویل تقریر کی۔ انہوں نے مجموعہ تعزیرات ہند میں موجود دفعات کو توہینِ مذہب کے سلسلے میں ناکافی قرار دیا اور تجویز کیا کہ ملک کی صورتِ حال کے پیشِ نظر یہ ترمیمی بل فوراً منظور کیا جائے جبکہ بمبئی کے ڈی۔ وی بیلوی نے یہ ترمیم پیش کی کہ بل کو مجلس منتخبہ کی بجائے رائے عامہ معلوم کرنے کے لیے مشتہر کیا جائے۔ بحث و تمحیص کے بعد ایوان سے رائے لی گئی جس نے بیلوی صاحب کی رائے مسترد کر دی اور بل کا مسوّدہ مجلس منتخبہ کے سپرد کر دیا گیا۔[43]

اس پر اسمبلی میں 16 ستمبر سے 19 ستمبر تک غور کیا گیا اور پھر مسوّدہ قانونی رائے شماری کے لیے ایون میں پیش کیا گیا۔ 26 ووٹوں کی مخالفت اور

61 ووٹوں کی موافقت سے مسوّدہ منظور کیا گیا اور 19 ستمبر کو کونسل آف سٹیٹ کو بھیج دیا گیا جو 21 ستمبر 1927ء کو کونسل آف سٹیٹ کے سامنے پیش ہوا، بحث کے بعد مسودے پر رائے شماری ہوئی اور کثرتِ رائے سے منظور ہوا۔[44] بعد میں یہ مسوّدہ 1927ء میں ایک معمولی سی دفعہ 295 اے کی صورت میں تعزیراتِ ہند میں شامل کیا گیا اور پھر یہی مجموعہ تعزیراتِ پاکستان کا حصہ بنا۔

1947ء میں پاکستان کے معرضِ وجود میں آنے کے بعد یہ توقع تھی کہ یہاں توہینِ رسالت ﷺ کے جرم کی شرعی سزا ''سزائے موت'' کا قانون پھر سے بحال ہو جائے گا' لیکن یہ کام التواء کا شکار ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ اسلامی نظریاتی کونسل نے شیخ محمد غیاث سابق اٹارنی جنرل صاحب کی تحریک پر حکومت سے سفارش کی کہ توہین رسالت ﷺ اور ارتداد کی سزا ''سزائے موت'' مقرر کی جائے۔ اس کے باوجود حکومتِ وقت نے اس نازک مسئلہ کو مستحقِ توجہ نہیں سمجھا، جس پر محمد اسماعیل قریشی ایڈوکیٹ نے 18 جنوری 1984ء کو وفاقی شرعی عدالت میں صدرِ مملکت جنرل محمد ضیاءالحق اور تمام صوبوں کے گورنروں کے خلاف پٹیشن دائر کر دی۔[45]

جس میں یہ موقف اختیار کیا گیا تھا کہ تعزیراتِ پاکستان میں رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی، توہین و تنقیص جیسے سنگین جرم کی سزا مقرر نہیں اس لیے اسے قرآن وسنت کے مطابق سزائے موت مقرر کیا جائے۔

قومی اسمبلی سے قانونِ توہینِ رسالت کی منظوری

جولائی 1986ء میں اسلام آباد میں منعقدہ ایک تقریب کے دوران ایڈوکیٹ عاصمہ جہانگیر نے تقریر کے دوران حضور ﷺ کے بارے میں ناخواندہ و تعلیم سے عاری الفاظ کا استعمال کیا جو سامعین اور امت مسلمہ کی دلآزاری کا باعث بنے۔ جس پر ہنگامہ آرائی اور غم وغصہ کی لہر ہر طرف پھیل گئی۔ مختلف قرار دادیں حکومت کو بھجوائی گئیں کہ عاصمہ جہانگیر کو اس پر سزا دی جائے اور اس پر سزا مقرر بھی کی جائے۔ قومی اسمبلی میں سب سے پہلے اس معاملے پر ایم این اے محترمہ نثار فاطمہ نے نوٹس لیتے ہوئے توہینِ رسالت کے مجرم کے لیے سزاے موت کا بل پیش کیا، جو 2 اکتوبر 1986ء کو پارلیمنٹ میں متفقہ طور پر منظور کر لیا گیا۔ بل کی منظوری سے توہینِ رسالت کے جرم کی سزا سزائے موت یا سزائے قید مقرر ہوئی اور تعزیراتِ پاکستان میں دفعہ 295۔ج کا اضافہ کیا گیا۔[46]

بل کی منظوری کے باوجود اس میں جو سقم سزائے موت یا سزائے عمر قید کا تھا اسے دور کرنے کے لیے ایڈوکیٹ محمد اسماعیل قریشی نے دوبارہ فیڈرل شریعت کورٹ میں اس بناء پر چیلنج کر دیا کہ توہینِ رسالت کی سزا بطور حد سزائے موت مقرر ہے اور حد کی سزا میں حکومت ہی نہیں، بلکہ پوری امت مسلمہ کو بھی سوئی کی نوک کے برابر کمی یا اضافہ کرنے کا اختیار نہیں اور یہ ناقابل معافی جرم ہے۔ جس کی باقاعدہ سماعت یکم اپریل 1987ء کو شروع ہوئی، جس میں تمام مکاتبِ فکر کے علماء کو بھی معاونت کی دعوت دی گئی۔ سماعت کے بعد فاضل عدالت نے وفاقی و صوبائی حکومتوں کو نوٹس جاری کر دیے اس کے بعد اس مقدمہ کی سماعت لاہور، اسلام آباد اور کراچی میں ہوتی رہی۔ اس میں منجملہ دیگر علمائے کرام کے ایڈووکیٹ محمد اسماعیل قریشی، مفتی غلام سرور قادری' مولانا حافظ یوسف صلاح الدین اور سید ریاض الحسن نوری نے سیر حاصل بحث کی۔ حکومت پاکستان کی جانب سے ڈپٹی اٹارنی جنرل میاں عبدالستار نجم اور صوبائی حکومت پنجاب کی طرف سے نذیر غازی اور جلال الدین خالد پیش ہوئے۔ حکومتِ سرحد کی نمائندگی میاں محمد اجمل اور سندھ وبلوچستان کی طرف سے وہاں کے ایڈیشنل ایڈووکیٹ جنرلز نے نمائندگی کی۔[47]

بالآخر وہ ساعت سعید آہی گئی جب فیڈرل شریعت کورٹ نے متفقہ طور پر توہین رسالت ﷺ کی متبادل سزا عمر قید کو غیر اسلامی اور قرآن وسنت کے

خلاف قرار دیا اور حکومتِ پاکستان کے نام حکم نامہ جاری کیا کہ عمر قید کی سزا کو دفعہ 295 سی سے حذف کیا جائے، جس کے لیے 30 اپریل 1991ء کی مہلت حکومت کو دی گئی۔ اس مدت کے اختتام پر عمر قید کی سزا حکم عدالت کی رو سے حذف ہو کر غیر مئوثر ہو گئی۔[48]

اس کے بعد فیڈرل شریعت کورٹ کے اس فیصلہ کے خلاف سپریم کورٹ میں اپیل دائر کر دی جس پر وزیر اعظم پاکستان میاں محمد نوز شریف نے 1991ء میں اس انتباہ کا بروقت نوٹس لیا اور برسرِ عام اعلان کیا کہ اس جرم کی سزا سزائے موت بھی کم تر ہے۔ جس پر یہ اپیل سپریم کورٹ سے فوری طور پر واپس لے لی گئی، جس کے بعد بفضلہ تعالٰی اب پاکستان میں توہین رسالت ﷺ کی سزا بطور حد سزائے موت حتمی اور قطعی طور پر جاری ہو چکی ہے۔ قومی اسمبلی نے 2 جون 1992ء کو متفقہ قرارداد منظور کی کہ توہینِ رسالت کے مرتکب کو سزائے موت دی جائے۔

خبر کا اصل متن حسبِ ذیل ہے:

''اسلام آباد (نمائندہ جنگ) قومی اسمبلی نے منگل کے دن متفقہ قرارداد منظور کی کہ توہینِ رسالت کے مرتکب کو پھانسی کی سزا دی جائے اور اس ضمن میں مجریہ تعزیراتِ پاکستان کی دفعہ 295 (ج) میں ترمیم کی جائے اور عمر قید کے لفظ حذف کر کے صرف پھانسی کا لفظ رہنے دیا جائے۔ یہ قرارداد آزاد رکن سردار محمد یوسف نے پیش کی اور کہا کہ ہر مسلمان کا عقیدہ ہے کہ توہینِ رسالت کے مرتکب شخص کو سزائے موت دی جائے، جبکہ قانون میں عمر قید اور پھانسی کی سزا متعین کی گئی ہے۔ مذہبی اُمور کے وفاقی وزیر مولانا عبدالستار خان نیازی نے بتایا کہ وزیر اعظم کی صدارت میں ایک اِجلاس ہوا تھا، جس میں تمام مکتبۂ فکر نے شرکت کی تھی۔ اس اِجلاس میں طے پایا تھا کہ توہینِ رسالت کے مرتکب کو کم تر سزا نہیں دینی چاہیے، اس کی سزا موت ہونی چاہیے۔ وفاقی وزیر پارلیمانی اُمور چوہدری امیر حسین نے کہا کہ حکومت اس قرارداد کی مخالفت نہیں کرتی، حکومت اس ضمن میں پہلے بھی قانون سازی کی تیاری کر رہی ہے۔ انہوں نے بتایا کہ اس ضمن میں ایک ترمیمی بل سینیٹ میں پیش ہو چکا ہے۔''[49]

بلآخر 8 جولائی 1992ء کو پاکستان کی سینیٹ نے اس بل کو اتفاقِ رائے سے منظور کیا۔ لاہور ہائیکورٹ نے اس قانون پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا کہ:

''کوئی بھی شخص، کجا ایک مسلمان، ممکنہ طور پر اس قانون کی مخالفت نہیں کر سکتا، کیونکہ یہ من مانی کا سد باب کرتا ہے اور قانون کی حکمرانی کو فروغ دیتا ہے۔ اگر تعزیراتِ پاکستان کی دفعہ 295-C کے احکامات کی تنسیخ کر دی جائے یا انہیں دستور سے متصادم قرار دے دیا جائے تو معاشرے میں ملزموں کو جائے واردات پر ہی ختم کرنے کا پرانا دستور بحال ہو جائے گا۔''[50]

قانون توہینِ رسالت کے خاتمہ پر دباؤ

پاکستان میں قانون توہین رسالت کو ختم کرنے کے لیے یورپ اور امریکی حکومت متعدد مرتبہ دباؤ ڈال چکی ہیں۔ 1993ء میں جب امریکی نائب وزیر خارجہ پاکستان آئے تو وزیر اعظم کو کہا کہ اس قانون کو ختم کیا جائے۔[51] 1996ء میں ایک مرتبہ پھر اس قانون کے خاتمے کا مطالبہ کیا گیا۔[52]

امریکی ایوان نمائندگان کی خارجہ امور سے متعلق کمیٹی کے چیئرمین سی۔ ایچ۔ ہمائن سے امریکی کرسچیئن ایسوسی ایشن کے انسانی حقوق کمیشن نے تحریری درخواست کی کہ پاکستان کو دی جانے والی امداد کو توہین رسالت کے قانون کے خاتمے سے مشروط کر دیا جائے۔[53]

سلامت مسیح اور منظور مسیح کو جب 1995ء میں توہین رسالت کیس میں سزائے موت ہوئی تو اس وقت برطانوی پارلیمنٹ میں ۷۱ ارکان کے دستخطوں کے ساتھ ایک تحریک پیش ہوئی جس میں اس فیصلے پر نہ صرف تنقید ہوئی بلکہ قانون کے خاتمے کا مطالبہ کیا گیا۔[54]

قانون توہین رسالت میں ترامیم کی کوششیں

بینظیر بھٹو صاحبہ کے دور میں اس قانون میں ترمیم کر کے اسے غیر موثر کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ وفاقی وزیر قانون سید اقبال حیدر نے آئرلینڈ میں

آئرش ٹائمز کے نمائندے ڈیوڈ شیانکس کو ایک سوال کے جواب میں یہ کہا کہ کابینہ نے قانون توہین رسالت میں ترمیم کی منظوری دے دی ہے جس کے مطابق پولیس سے ملزم کو گرفتار کرنے کا اختیار واپس لے کر یہ اختیار عدالتوں کو دے دیا گیا ہے، اس طرح کسی پر الزام عائد کرنے کو قابل سزا جرم قرار دیا گیا۔[55] اسی طرح کی یقین دہانی مذکورہ وزیر نے لندن میں مسیحی برادری کے ایک وفد سے ملاقات کے دوران بھی کرائی۔[56] شدید عوامی ردِّ عمل کی وجہ سے پنجاب اسمبلی نے اپریل 1995ء میں ایک متفقہ قرارداد منظور کی، جس میں حکومت سے مطالبہ کیا گیا کہ توہینِ رسالت کے انسداد کے قانون 295۔ج میں ترمیم نہ کی جائے اور اہانتِ رسول ﷺ کا ارتکاب کرنے والوں کے لیے موت کی سزا کو برقرار رکھا جائے بلکہ اس بات کا اضافہ کیا جائے کہ نہ صرف حضرت محمد ﷺ بلکہ کسی بھی نبی کی شان میں گستاخی کرنے والے کو سزائے موت دی جائے۔[57]

نتائج وسفارشات

قانونِ توہینِ رسالت کا درست استعمال مذہبی شعائر کی توہین کی روک تھام میں ایک موثر کردار ادا کر سکتا ہے۔ لہٰذا اس قانون میں کسی قسم کی تبدیلی مسلم اکثریتی ریاست میں مسلمانوں کے لیے بے چینی اور ریاست کے لیے مسائل کا باعث بن سکتی ہے۔ اگر کہیں پر اس کے غلط استعمال کی شکایت ہے تو اس کے لیے سخت شرائط اور نیک نیتی سے اصلاحِ احوال کی کوشش کی جائے۔ یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ توہینِ رسالت کی سزا حکومتِ وقت کی ذمہ داری ہے اس لیے اسے ایسے مجرموں کے خلاف فوری سزا کا فیصلہ کرنا معاشرے کو بہت سے مسائل سے بچا سکتا ہے۔

غیر مسلم شہریوں کے خدشات کو دور کرنے کے لیے اور اصل مجرموں کو سزا دلوانے کے لیے، علمائے کرام اور عوامی نمائندوں پر مشتمل ایسی کمیٹیاں تشکیل دی جائیں جو نچلی سطح پر کام کریں اور اپنی رپورٹ اعلیٰ حکام کو پیش کریں، جو انتہائی عرق ریزی اور منصفانہ طور پر اس مسئلے کا جائزہ لیں اور الزام ثابت ہونے کی صورت میں مجرم کو کیفر کردار تک پہنچائیں۔

توہینِ رسالت کا الزام ثابت ہونے کی صورت میں حکومتی و قانونی اداروں کو بالائی طاقتوں کی پرواہ کیے بغیر مجرم کو جلد سے جلد عبرت ناک سزا دینی چاہیے تاکہ اس حساس معاملے کے بارے میں زبان درازی کرنے والوں کے منہ بروقت بند ہو جائیں۔

مسلم اور بالخصوص غیر مسلم شہریوں کو چاہیے کہ وہ اپنی تقریر و تحریر میں کوئی ایسی بات ذکر نہ کریں جس سے کسی عاشق رسول کے جذبات کو ٹھیس پہنچے۔ اسی طرح وارثانِ منبر و محراب کو بھی چاہیے کہ مسئلہ توہینِ رسالت اور اس کے تمام پہلوؤں میں عوام کی درست سمت میں رہنمائی کریں۔ تاکہ منصبِ رسالت کے بارے میں مکمل آگاہی ہر مسلم و غیر مسلم پر واضح ہو۔

توہینِ رسالت کی سزا جسے 30 اکتوبر 1990ء کو وفاقی شرعی عدالت نے عمر قید کے بجائے سزائے موت میں بدل دیا ہے، قانونی اداروں کی ذمہ داری ہے کہ وہ تعزیراتِ پاکستان سے بھی عمر قید کے بجائے سزائے موت کے الفاظ کی تبدیلی کا نوٹیفیکیشن جاری کریں۔

پاکستان میں بسنے والے مسلم و غیر مسلم شہری شہریت میں برابری کا حق رکھتے ہیں۔ اگرچہ مسیحی برادری کی طرف سے دائر کردہ درخواست پر لاہور ہائی کورٹ واضح کر چکی ہے کہ اس ایکٹ کے تحت تمام انبیاء کی توہین کی سزا موت ہے، اس قانون میں حضرت محمد ﷺ کے ساتھ حضرت عیسی علیہ السلام اور دیگر تمام انبیاء علیہم السلام کی توہین کی سزا موت ہو گی، کے الفاظ کا اضافہ کر دیا جانا چاہیے۔

This work is licensed under a
Creative Commons Attribution 4.0 International Licence.

حواشی وحوالہ جات

[1] سفر احبار:16/24۔

[2] ایضاً۔

[3] *The Holy Bible* کتاب مقدس(New Urdu Bible Version)(USA:International Bible Society, 2005). This Bok is owned and distributed by Pakistan Bible Society Anārkalī, Lahore, Pakistan. The Prevailing Bible consist of two parts one is old testament for Jews and second is new testament for Christians.

[4] مرقس3/29-28۔

[5] سید عبدالقیوم جالندھری، **منو کا قانون اور اسلامی قانون**،(لاہور: سید محبوب عالم پریس، 1968)، ص2-16۔

[6] شریمد بھگوت گیتا، **لوک مانیہ تلک**(مترجم شانتی نارائن)،(لاہور: امرت پریس1925)، ص17-14۔

[7] اکبر شاہ نجیب آبادی، **مقدمہ تاریخ ہند**،(انڈیا: مکتبہ عبرت،1918)،ج2 ،ص،123۔

[8] روزنامہ جنگ،20 جنوری1989۔

[9] **ستیارتھ پرکاش**: یہ انتہائی متنازع کتاب آرہ سماج کے بانی سوامی دیانند سرسوتی نے لکھی، جس میں تمام مذاہب اور ان کے بانیان بالخصوص اسلمام اور پیغمبر اسلام کے بارے میں انتہائی نازیبہ کلمات لکھے ہیں۔ جس سے مذاہب کا آپس میں اختلاف بڑھا ہے اور باہمی تنازعات میں اضافہ ہوا ہے۔

[10] سوامی دیانند سرسوتی، **ستیارتھ پرکاش**، مترجم لالہ جیون داس، (لاہور: کشن چند کمپنی،1998)، ص499۔

[11] https://oll.libertyfund.org/pages/1793-french-republic-constitution-of-1793/Accessed:14/1/19

[12] Ibid.

[13]https://www.constituteproject.org/constitution/German_Federal_Republic_2012/Accessed:13/1/19

[14] **آئینی قانون، اے وی ڈاسی**، ص248۔

[15] New Encyclopedia Britannica (London:Archibald constable and company ,1990), Vol. 2, p 74

[16] **استثنا باب**،18:12۔

[17] New Encyclopedia Britannica, vol. 2, p 75.

[18] Blackstone criminal practice 1995, chapter-23, p 635.

[19] The Times, Blasphemy and bigotry,27 Aug. 1988, (reported by David Holloway)

[20] Blackstone's, practice 1995, p 653-1979. (ac-617)

[21] The case is numbered 19/1995/525/611.

[22] The case was referred to the Court by the European Commission of Human Rights ("the Commission") on 1 March 1995 and by the Government of the United Kingdom of Great Britain and Northern Ireland ("the Government") on 22 March 1995, within the three-month period laid down by Article 32 para. 1 and Article 47 of the Convention (art. 32-1, art. 47). It originated in an application (no. 17419/90) against the United Kingdom lodged with the Commission under Article 25 (art. 25) by a British national, Mr. Nigel Wingover, on 18 June 199.

[23] Law of United States of America , 20-pick 206, p 453.

[24] State vs Mockus,14-ALR-871 corpus juris silundum, vol. 9, p 359.

[25] E.A, 4/62; E.B (1910), 4/43.

[26] E.A, 4/62.

[27] E.R, 2/241.
[28] N.P.E, 2/203.
[29] E.R, 2/240-241.
[30] E.R, 2/241.
[31] N.P.E,2/203.
[32] E.R, 2/241.
[33] E.B(1929), 2/701; E.B(1910), 4/44.
[34] E.R, 2/242.

[35] شیخ محمد اکرام، **رود کوثر**، (لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ کلب2005)، ص101۔

[36] صوت الاسلام، فیصل آباد، دسمبر1985ء، ص27۔

[37] نعت، لاہور، اپریل1991ء، ص93-92۔

[38] رئیس احمد جعفری (مترجم)، **افادات محمد علی**، تصحیح و ترمیم و ترتیب، (حیدرآباد: ناشر محل اشاعت، س ن)، ص170۔

[39] **محمد علی ذاتی ڈائری**، (اعظم گڑھ: ناشر دار المصنفین1956ء)، ص418۔

[40] رئیس احمد جعفری، **سیرت محمد علی**، (دہلی: مکتبہ جامعہ ملیہ اسلامیہ، 1932ء)، ص438-439۔

[41] جعفری، **افادات محمد علی**، ص215۔

[42] جعفری، **سیرت محمد علی**، 440۔

[43] رپورٹ تیسری، قانون ساز اسمبلی، 1997ء، ص130۔

[44] رپورٹ دوسری، کونسل آف سٹیٹ، ج2، ص153-160۔

[45] Federal Shariat Court F.S.C (1.L, 1984) p 259.

[46] روزنامہ جنگ، (لاہور، 3، اکتوبر1986ء)، ص1۔

[47] P.L.D (F.S.C-1991), XL111:10.11,16.
[48] P.L.D (F.S.C-1991), XL111:10.

[49] روزنامہ جنگ، (کراچی: 3، جون1992ء)۔

[50] پی ایل ڈی، 1994ء، لاہور، 385۔

[51] زندگی، (لاہور: 10، مارچ 1995ء)، ص16۔

[52] نوائے وقت، (لاہور: 8، مارچ1996)، ص1۔

[53] زندگی، (لاہور: 10، مارچ1995ء)، ص16۔

[54] روزنامہ جنگ، (لندن: 11، فروری1995ء)، ص1۔

[55] IRISH TIMES, DUBLAM, 1-7-94, 2.

[56] روزنامہ جنگ، (کراچی، 7، جولائی1994)، ص8۔

[57] روزنامہ جنگ، (لاہور، 5، مئی1995ء)، ص11۔